بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اشارات

سیاسی لیڈروں کی طرف سے ادلتے بدلتے حالات میں جو رنگا رنگ بیانات جاری ہوتے رہتے ہیں اُن کی اشاعت اور ان سے متعلق بحثیں اخباری دائرے ہی میں مناسب ہیں۔ مگر اس دفعہ این ۔ اے ۔ پی کے سیکرٹری جنرل غلام محمد بلور صاحب کا ایک بیان ایسا آیا ہے جس کا نفسِ مضمون اپنے اندر بہت خوفناک مواد رکھتا ہے۔ یہ نہ صرف حبِّ وطن کے یکسر منافی ہے بلکہ قوم کے آزاد وجود کے خلاف بڑی بھاری ضرب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لیے ہم نے اس بیان کے ایک مختصر سے حصے کو ترجمان القرآن کے اوراق میں لینا پسند کیا ہے۔

یہ بیان کراچی کے پریس کلب میں آنکھوں اور کانوں کے ہجوم کے سامنے دیا گیا ہے، اس وجہ سے اس کی جو تردیدیں اور تاویلیں گھڑی گئی ہیں، وہ سب مذاق معلوم ہوتی ہیں۔ اصل گفتگو چھیڑنے سے پہلے اس بیان کا اہم ترین حصہ ملاحظہ فرمائیے:۔

> " سرحدی علاقے کے لوگ سوچتے ہیں کہ روس آجائے تو کوئی بُری بات نہیں۔ جن چیزوں سے آج ہم محروم ہیں وہ روس کے آنے سے نہیں ملیں گی، لیکن روٹی، کپڑا اور دیگر چیزیں تو ملیں گی۔"

اِن چند الفاظ میں ایک تو ہمارے ایک سیاسی لیڈر صاحب نے اپنی قوم کو غلام ساز سامراجی قوتوں کی چراگاہ سمجھا ہے۔ انگریزی سامراجیت کو رخصت ہوئے ابھی آدھی صدی بھی نہیں گذری کہ غلام محمد بلور صاحب کے رگ و پے میں رچا بسا ذوقِ غلامی ایک نئی سامراجی قوت کے لیے آنکھیں فرشِ راہ کرنے کی دعوت قوم کو دے رہا ہے۔ بلور صاحب کسی انقلاب،

کسی تغیر، کسی ارتقائی اصلاح کا پروگرام خود سوچنے اور اپنی پارٹی کو حکومت پر لانے کی بات کرتے تو کوئی بات ہوتی۔ یہ تو بڑی سستی ظریفی ہے کہ وہ قافلہ قوم کی باگ ڈور روس کو دینے چلے ہیں۔ کیا روس نے انہیں اس کام کے لیے ایجنسی دی ہے یا وہ رضاکارانہ والہیت کے ساتھ اس نیک خدمت کو فی سبیل اللہ کرنا چاہتے ہیں؟ پاکستان کو ایسا مرغزار سمجھنے کا ان کو کیا حق ہے کہ جہاں کے آہو اپنے سر ہتھیلیوں پر لیے کسی شکاری کے انتظار میں ہیں کہ کبھی نہ کبھی " بہ شکار خواہی آمد "

کیا کسی ایسے شخص کا دائرہ کار سیاست اور منصب " لیڈری " ہو سکتا ہے جو قوم کو درس غلامی دیتا ہو، اور پورے ملک کو غلاموں کی ایک منڈی کے طور پر کسی عظیم گاہک کے ہاتھوں بیچنے پر تیار ہو؟ کیا ہر وہ شخص جو بے سروپا باتیں ہانک رہا ہو، اس قابل ہے کہ کسی پارٹی میں عہدے کا تخت اس کے لیے بچھایا جائے۔

کسی پارٹی کے لیڈر اگر محسوس کریں کہ وہ ملک کے لیے اپنے اندر سے یا اپنے زیر اثر حلقوں سے قیادت فراہم کر کے نہیں دے سکتے بلکہ صرف قیادت امپورٹ ہی کر سکتے ہیں تو ان کو سیاست کا بساط لپیٹ دینا چاہیے۔

اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اشتراکیت کے تسبیح خواں، بعض سیاسی پارٹیوں میں (خصوصاً وہ جن کا جھکاؤ سیکولری تصورات کی طرف ہو) پناہ لیے بیٹھے ہیں، جیسے وہ سرکاری دفتروں اور ریڈیو، ٹیلی وژن اور سرکاری جرائد اور اشاعت گاہوں اور تعلقاتِ عامہ کے اداروں میں بیٹھے تھے۔ یہاں وہ ہر قسم کے تنقیدی حملوں سے محفوظ رہ کر خود مناسب موقعوں پر گولہ باری کرتے رہتے ہیں۔ سرکاری اداروں کا معاملہ تو اس وقت خارج از بحث ہے، کیا سیاسی پارٹیوں کے کارپردازوں اور ان کے عام کارکن اس قسم کے پناہ گیروں کو شروع سے نہیں پہچان سکتے کہ کون درحقیقت کیا آدرش رکھتا ہے اور کن وجوہ سے اس نے اپنی اصل سطح سے نیچے اُتر کر کسی جھاڑی میں نشیمن بنایا ہے؟ اور جب کسی شخصیت کا بھرم کھل جائے تو پھر اس کے

تحفظ کے لیے لیپا پوتی کیسی ؟

روس پرستوں کے اس طریقِ پناہ گزینی اور کمین گاہوں سے مناسب وقت پر گولہ باری کے متعلق قوم کو بھی آگاہ ہونا چاہیے اور پارٹیوں اور اُن کے اکابر اور کارکنوں کو بھی۔ اور جب کسی گھس پیٹھیے کا معاملہ اَلَم نشرح ہو جائے تو پھر قوم اور قومی سیاست کا اس سے تحفظ کرنا چاہیے۔

ایسے مسحورانِ اشتراکیت کو دراصل اپنی اس کمزوری کا شعور ہے کہ وہ نظریات کے راستے قوم کو متاثر کرنے میں بُری طرح ناکام ہیں۔ ان کی اب تک کی فتوحات لے دے کے طبقاتی کشمکش کے دائرے میں ٹریڈ یونین ازم کے سہارے تھیں۔ (اور اب یہ سہارا بھی جواب دے رہا ہے) یا صوبوں اور علاقوں اور زبانوں کی عصبیتوں کو بھڑکا کر علیحدگی پسندی کے رجحانات اُبھارنے پر۔ کچھ کام ادب، ٹیلی وژن وغیرہ کے راستے فکری انتشار پھیلانے اور مسلمانوں کی تہذیبی، اخلاقی اقدار کو تباہ کرنے کے ذریعے ہو رہا ہے۔ لیکن بہ ایں ہمہ اب تک یہ ممکن نہیں ہوا کہ براہ راست اشتراکیت کے بلاوے پر قوم کی اکثریت کو تو کجا، معتدبہ اقلیت ہی کو مجتمع کیا جا سکے۔ لہٰذا وہ اپنی پسند کے نظام کے نفاذ کے لیے روس کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ آئے اور جبر و جارحیت سے اپنا نظام ہماری نالائق اور قدر ناشناس قوم پر مسلط کر دے۔ گویا ان کے نزدیک یہاں کے باشندے بھیڑ بکریاں ہیں اور یہ اُن کے ریوڑ جس کے حوالے کرنا چاہیں، کوئی مزاحم نہیں ہوگا۔

روس کو بھی وہ روٹی کے نام پر بلانا چاہتے ہیں۔ گویا روس جہاں جاتا ہے وہاں بس اس کا کام یہ ہے کہ وہ جا بجا تندوری ہوٹل کھول دے اور روٹی تقسیم کرنے لگ جائے۔

غلام محمد بلور صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا میں سب سے زیادہ جنگی روٹی روس

کی ہے ۔ وہاں تو روٹی کا راشن کارڈ حاصل کرنے کے لیے پیشگی قیمت کے طور پر دولت سے آزادی اور خودداری کے علاوہ نقد ایمان بھی نذر کرنا پڑتا ہے ۔ اگر یہ قیمت کوئی قوم خوشی ادا نہ کرے تو سنگینوں کے زور سے وصول کر لی جاتی ہے ۔ پھر دوسری وہ قیمت ہے، جو روٹی حاصل کرنے کے لیے قطاروں میں کھڑے رہ رہ کر کثیر سکوں (یا گھنٹوں) کی شکل میں ادا کرنی پڑتی ہے ۔ اس وقت دنیا بھر میں روٹی، کپڑا، جوتے، مکان وغیرہ تمام چیزیں مزدور کو روس میں سب سے زیادہ مہنگی ملتی ہیں ۔ جس ملک کا یہ حال ہو کہ وہ پون صدی کا دور گذار کر بھی ہزارہا ترقیات کے باوجود اور کشادہ زمین، کثیر قدرتی وسائل، جدید مشینری اور سستی انسانی محنت کے ہوتے ہوئے اپنے باشندوں کے لیے ضرورت کا غلہ پیدا نہ کر سکا ہو وہ پاکستان والوں کو کیا روٹی کھلائے گا ؟ — روس کی روٹی کی ایک شان یہ بھی ہے کہ وہ ٹھنڈی اور باسی ہی نہیں، مقدار کے لحاظ سے قلیل بھی ہوتی ہے ۔ اس قلیل روٹی کا بہترین اور زیادہ حصہ افسروں، دانشوروں اور فن کاروں کے طبقۂ اعلیٰ کا مقدر بنتا ہے ۔ بیچارے محنت کش عوام طرح طرح کے ہیر پھیر کر کے ضرورت پوری کرتے ہیں ۔ مثلاً وہ بعض اشیا کے کوپن دوسروں کے ہاتھ بیچ کر کام چلاتے ہیں ۔ یا اجناس کا بارٹر کر لیتے ہیں ۔ خصوصاً کسان حکومت سے مستثنیٰ کر دہ قلیل سے رقبے میں زائد محنت کر کے سبزیاں، پھل وغیرہ اُگا کر انہیں فروخت کرتے اور روٹی کی ضرورت پوری کرتے ہیں ۔ یہ ساری معلومات تفصیلی اعداد و شمار کے ساتھ موجود ہیں اور خود ہمارے ملک میں بسہولت دستیاب ہیں ۔

میں پوری ذمہ داری سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان کا مزدور روس کے مزدور سے بہتر طور پر پیٹ بھرتا ہے اور نسبتاً بہتر حالات رکھتا ہے ۔ ابھی سرمایہ دارانہ نظام کی قوت ٹوٹنے کے ساتھ ساتھ اسے اور بھی مفاد مسلسل حاصل ہو رہے ہیں ۔

خاص طور پر یہاں کے شہری بہ حیثیت مجموعی بھوکے نہیں سوتے ۔ روٹی سے آگے کے خواب تو وہ دیکھتے ہیں ۔ لیکن اب روٹی کا نعرہ ان کو مسحور نہیں کر سکتا ۔

روسی نظام یا دوسرے لفظوں میں اشتراکیت تو انسانی شرف و کرامت کے ہر جزو کو کچل دینے والا ناکام ترین نظام ہے۔ ہر شہری جب تک ضمیر نام کی بیماری سے پوری طرح محروم نہ ہو جائے اور ہر مزدور سے جب تک خودداری کی آخری رمق نہ چھین جائے، اشتراکیت اپنے ہاتھ سے روٹی کا ایک نوالہ دینے پر بھی تیار نہیں ہے۔
کوئی مزدور ایک کام کو چھوڑ کر دوسرے کام کو اپنی مرضی سے اختیار نہیں کر سکتا۔ حکومت اُسے سمرقند سے اُٹھا کر سائبیریا بھیج دے تو وہ دم نہیں مار سکتا، ایک شہر سے وہ دوسرے شہر میں آسانی سے منتقل نہیں ہو سکتا۔ اس کے سامنے زیادتی ہو تو چیخ پکار نہیں کر سکتا۔ کوئی جلسہ کرنا، جلوس نکالنا، پریس کانفرنس کرنا، اخبار میں بیان دینا، ہڑتال کرنا، مظاہرہ کرنا، اس کے لیے ممنوع ہے۔ کوئی مزدور انتخابات میں حکمران کمیونسٹ پارٹی کے نامزد کردہ واحد امیدوار کے علاوہ کسی کو ووٹ نہیں دے سکتا۔
ایسے "دم گھٹے" مزدور کو اگر روٹی کھلا بھی دی جائے تو ایسی روٹی سے زندگی تو نہیں ملتی، صرف اس طرح کی رولی محنت کے بدلے میں حاصل کی جا سکتی ہے۔ جیسے کسی گھوڑے یا بیل کو چارہ کھلا کر اس سے کولہو چلانے یا چھکڑا کھینچنے یا بوجھ ڈھونے کے لیے خدمت لی جاتی ہے۔
میں تو کہتا ہوں کہ ہمارے یہاں مجرموں کو جیل میں رکھ کر جس طرح روٹی دی جاتی ہے وہ اشتراکیت کے تنور کی روٹی سے زیادہ بہتر نوعیت رکھتی ہے۔
پھر کیا غلام محمد بلور اور ان کے ہمنواؤں کا ارادہ روٹی کے نام پر اس پورے ملک کو یہاں کی جیلوں سے ایک بدتر جیل میں بدلنا ہے؟

روسی نظام میں ملنے والی اشتراکی روٹی کی قیمت دریافت کرنی ہو تو روسی مصنف کراوشنکو سے پوچھیے۔ پیٹر نیک کی سرگذشت سے معلوم کیجیے۔ سولزے نٹسن کی کتاب کینسر وارڈ اور اس کی دیگر کتب کو پڑھ کر جانیے۔ پولینڈ کے مزدوروں کی تنظیم سالیڈیریٹی

سے پوچھیے جس نے روسی تسلط سے ملک کو بچانے کے لیے سخت جد و جہد کی مگر روس کی عسکری جارحیت کے سیلاب کو نہ روکا جا سکا۔ آپ روسی ترکستان کے مسلمانوں کے حالات پڑھ کر معلوم کیجیے کہ جن کی جانیں بھی لی گئیں، جن کے ایمانوں کو کچلا گیا اور جن کو اپنے اقتصادی بارمٹ کے بدلے میں روٹی بھی خسارے کی ملی۔

پھر اگر اشتراکیت کی برکات کا حساب لگانا ہو اور اس کی روٹی کی کرامات سے واقفیت حاصل کرنی ہو تو ذرا ان ممالک کے احوال معلوم کیجیے جو روسی چنگل میں آنے کے بعد بچ نکلے۔ برما سے پوچھیے، مصر سے پوچھیے اور صومالیہ سے پوچھیے کہ کیا گذری؟

پھر جا کر افغانستان کے جانبازوں سے معلوم کیجیے کہ کس طرح محنت کش، سادہ منش اور مفلوک الحال دیہاتیوں تک کو روسی جارحیت نے پیس ڈالا ہے، کس طرح ان کی بستیوں کے ساتھ ساتھ ان کی کھیتیاں اس درجہ برباد کر دی ہیں کہ ان کو دوبارہ قابلِ کاشت بنانے کے لیے کئی سال مصارف اٹھانے اور محنت کرنے کی ضرورت ہوگی۔ کھیتیاں ہی نہیں، پھلدار درخت جلائے جا چکے، ان کے مویشی ختم کر دیے گئے۔ بھیڑ بکریوں کے بڑے بڑے ریوڑ غارت ہو گئے، عصمتوں کو تاراج کیا گیا ہے، نوجوان طلبہ اور کم عمر طالبات پر گولیاں چلائی گئیں۔

تو جناب یہ افغانستان کے عوام کو روٹی بہم پہنچانے کا دلکش نظارہ ہے جسے غلام محمد بلور صاحب دیکھ دیکھ کر جھوم رہے ہیں۔

مزید فرصت ملے تو ایک نظر اریٹریا کی امتِ محمدیہ کے احوال پر بھی ضرور ڈالیے جو پہلے حبشہ کی ظالم حکومت کا مقابلہ کر رہی تھی اور اب روس بھی حبشہ کی حکومت کے ساتھ جا کر کھڑا ہو گیا ہے۔ ساتھ ہی صومالیہ کے مسلمان بھی روسی سرمایہ، سپاہ اور اسلحہ کی ضربیں سہ کر اذیتیں بھگت رہے ہیں۔ روس وہی تو ہے جس نے اسرائیلی ریاست کو امریکی سرمایہ و اسلحہ کے استعمال کے ماہر صیہونی فراہم کیے۔ اور عربوں پر سخت وقت آیا تو محض تماشا دیکھا رہا۔

اس روس کے نام کا جیکارہ لگا کر آپ پاکستانی عوام کو بہکانا چاہتے ہیں؟ اپنی سوچ بچار کا طول و عرض ناپ کر دیکھئے کہ آیا یہ لیڈری کے معیار پر پوری اترتی ہے؟

بیان کے صرف ایک متذکرہ جملے میں کئی زہر بھرے ہوئے ہیں۔ ایک زہر وحدت پاکستان کی مخالفت کا ہے۔ یہ کہنا کہ سرحد کے لوگ یہ چاہتے ہیں، اپنے اندر خطرناک مضمرات رکھتا ہے۔ اول تو وہ کونسا ریفرنڈم ہے جس کے ذریعے بلور صاحب نے سرحد کے غیور پٹھانوں پر یہ توہین آمیز الزام لگایا کہ وہ روس کی غلامی میں جانا چاہتے ہیں۔ پٹھان اگر غلامی پسند کر سکتے تو افغانستان کے پٹھان امن چین سے ہوتے۔ پھر کیا صوبہ سرحد کے پٹھان ہی اتنے گئے گذرے ہیں کہ وہ روس کو پکاریں کہ آؤ اور ہمیں غلام بنا لو۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ غلام محمد بلور صاحب کی پارٹی اور ان کی ذاتی لیڈری پورے پاکستان کی ترجمانی نہیں کر سکتی۔ اور پورے پاکستان کو رہنمائی نہیں دے سکتی کہ انہوں نے ایک علاقے کا حوالہ دیا ہے۔ اس حوالے کے تو معنی یہ ہیں کہ کل کسی دوسرے علاقے کا کوئی لیڈر کہے کہ ہمیں تو بھارت کی غلامی پسند ہے اور کسی تیسرے کو اسرائیل کی غلامی کا شوق چرائے اور کسی چوتھے کو صدر مارکوس کا تسلط پسند آجائے؟ بلکہ ہر ضلع سے آواز اٹھ سکتی ہے کہ ہمارا ضلع تو یہ چاہتا ہے اور ہر شہر سے کوئی لیڈر آواز دے سکتا ہے کہ میرے شہر کے عوام یہ چاہتے ہیں ——— لہٰذا پاکستان کی حکومت کو چاہیے کہ وہ ملک کی مجموعی پالیسی کو صوبوں صوبوں، علاقوں علاقوں اور شہروں شہروں سے آنے والی متضاد آوازوں سے مطابقت دینے میں لگی رہے۔

غلام محمد بلور صاحب! بات کرنے کا یہ طریقہ ہی علیحدگی کے رجحانات کی پرورش کرتا ہے۔ آپ کو اور آپ کی پارٹی کو پورے پاکستان کی ترجمانی کرنی چاہیے اور پورے پاکستان کو رہنمائی دینی چاہیے۔ اتنا بل بوتہ نہ ہو تو پھر بلدیاتی سیاست تک اکتفا کریں، ملکی سیاست کا بھاری پتھر نہ اٹھائیں۔ ملکی سیاست سے تعلق رکھنے کے لیے زیادہ بڑا دل اور زیادہ وسیع دماغ چاہیے۔

اب سیاسی لحاظ سے چند قابلِ غور نکات پیشِ خدمت ہیں:۔

۱۔ ایک شخص جسے اپنی پارٹی میں سیکرٹری جنرل کی حیثیت حاصل ہے (باقی بر صفحہ ۵۵)